نوے کی دہائی کے تین نظم نگاروں کی تبدیل شُدہ زبان

(سعید داحم، روش ندیم اور ارشد معراج)

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک۔ صدر شعبہ اردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی۔

ABSTRACT

Poets do influence language by introducing new expression and coinage of vocabulary. Urdu language is well endowed by a generation of poets that bring their works in 1990's. This short article is an attempt to identify the areas of Urdu language and its social and intellectual expression are changed by those *poets of 90's*. It is concluded that this generation of gifted poets break away from the past mainly due to political openness, and in turn contributed new ideas and expressions about society. The contribution resulted in a trend of individual thinking that borrowed their expression from *poets of 90's*.

Key Words: Urdu Poetry; Individualism in Urdu; Pakistani Society; Urdu Vocabulary

زبان کی اہمیت سے انکار نہیں ''الانسان بالسان'' ترجمہ: انسان زبان کی وجہ سے ہے۔ زبان خیالات و احساسات کا ذریعہء اظہار واخذ ہے اور اظہار واخذ کا یہ عمل علامات کے ذریعے طے ہوتا ہے۔ گویا زبان بامعنی الفاظ، آوازوں اور ان علامتوں کا مجموعہ ہے جن کی بدولت انسان بول کر یا لکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور دوسروں کے خیالات اخذ کرتا ہے۔ اظہار و خیال کے اس عمل سے نت نئے الفاظ جنم لیتے ہیں۔ بقول مولوی عبدالحق:

"زبان کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی ایجاد کر سکتا ہے۔ جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھیلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن ننھا سا پودا ایک تناور درخت بن جاتا ہے اسی اصول کے مطابق زبان ہوتی ہے بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے"(۱)

کسی بھی زبان کا اعلیٰ ترین استعمال اُس زبان کے ادب میں ہوتا ہے اور تخلیق کار، زبان کی لغت کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ لغت گر ہوتا ہے۔ اسی امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مذکورہ مقالے میں تین جدید نظم نگاروں کی لغات و لفظیات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

مسعود سعد سلمان، ۱۰۰۰ء میں جو اُردو کا پہلا شاعر ہے، کے آثار ملتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اُردو زبان کی عمر زیادہ طویل نہیں ہے۔ مسعود سعد سلمان نے مقامی زبانوں کے اشتراک سے عربی، فارسی کے ساتھ

شاعری کی۔اس سلسلے کو امیر خسرو نے آگے بڑھایا جو اس قدر مقبول ہوا کہ قوال اُن کے کلام کو قوالی کی صورت میں اب تک گاتے ہیں،اسے ریختہ بھی کہا گیا۔ریختہ کی جانب توجہ کرنے والا پہلا مکمل شاعر ولی دکنی ہے۔ جس نے مقامی زبانوں کے اشتراک سے غزل کی عمارت تعمیر کی اور اُردو غزل کا ''باوا آدم'' کہلایا۔ یہ محمد شاہی عرفِ عام میں محمد شاہ رنگیلا کا عہد ہے۔ولی دکنی سے متاثر ہو کر دلی کے معروف شعرا نے اس زبان کو ایہام گوئی کی تحریک کی شکل دی اور ذو معنوی اشعار کہنا شروع کئے۔دراصل یہ اس زبان کے ساتھ فارسی گو شعرا کا مذاق تھا، جس سے وہ جلد تائب ہوئے۔ اس کی وجہ میر جیسا بڑا شاعر تھا۔جس نے اسی ریختہ میں اعلیٰ ترین شاعری کر کے زبان کی عظمت کو مصمم بنا دیا۔

میر کہتے ہیں کہ میں وہ زبان استعمال کرتا ہوں جو دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بولی جاتی ہے لیکن اِس کے برعکس خانِ آرزو اِسی زبان کی صحت وصفائی میں لگ جاتے ہیں اور مقامی زبانوں کے لفظوں کو دائرہ اردو سے خارج کر کے عربی، فارسی کے بھاری بھر کم لفظوں کے بوجھ تلے دبا دیتے ہیں۔دبستانِ لکھنؤ میں یہی کام محمد بخش ناسخ نے ایک بار پھر کیا اور ہندی کے علاوہ مقامی، علاقائی زبانوں کو پھر خارج از دفتر کرنے کی تحریک چلائی لیکن ان سب کے باوجود علاقائی اور مقامی لفظ،اُردو زبان کا حصہ بنتے رہے اور یہ بنانے میں تخلیق کاروں کا اہم کردار ہے کیونکہ یہ زبان ارتقا پذیر بھی ہے اور اس میں اتنی لچکداریت (flexibility) ہے کہ تمام زبانوں کے موافق لفظ جزوِلاینفک کی طرح اِس زبان میں سما جاتے ہیں۔بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

> ''گزشتہ چالیس سال میں اُردو زبان و اسلوبِ شعر کا رنگ وروپ خاصہ تبدیل ہوا ہے۔ اس کا محاورہ یا روزمرہ وہ نہیں رہا جو کسی وقت دبستانِ دہلی یا لکھنؤ سے منسوب و مخصوص تھا۔ پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی اور سرائیکی زبانوں کے زیرِ اثر اِس میں بہت نمایاں اور خوب صورت تغیر ہوا ہے۔ بہت سے نئے الفاظ و محاورات علاقوں کی زبانوں سے در آئے ہیں اور جغرافیائی و تاریخی حالات نے اُردو کے ذخیرہ الفاظ و تراکیب اور تعلیمات واستعارات پر گہرا اثر ڈالا ہے''(۲)

غزل کی اہمیت کی بہ نسبت جدید اُردو آزاد نظم ایک نئی صنف ہے جس کی عمر لگ بھگ ستر سال سے زیادہ نہیں۔ نئی اصناف میں کسی بھی نئی زبان کے سمانے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔اس لئے اُردو آزاد نظم نے اپنے دامن میں علاقائی، مقامی، غیر ملکی بول چال کے لفظوں کو سمو لیا۔اِس کا مطلب یہ ہوا کہ میر نے جو بات اپنی اُردو غزل کے بارے میں کہی تھی،اُس کے بعد اُس کا اتباع کسی نے نہیں کیا، اگر کیا ہے تو وہ آزاد نظم نے۔صاف سی بات ہے کہ نظم کا دامن غزل سے زیادہ وسعت کا حامل ہے۔یہ اُسی نظم کی بات ہے جس کی ابتدا تصدق حسین خالد نے کی۔انہوں نے

نئی ہیت کو انگریزی اور جدید مغربی شعرا کے گہرے مطالعے کے بعد اپنایا اور شعوری طور پر آزاد نظم کے بانی ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ یوں جدید اُردو نظم کے باقاعدہ آغاز کا سہرا تصدق حسین خالد کے سر رکھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مگر پہلا بڑا شاعر، ن۔م راشد کو قرار دیا گیا۔ اس صنف میں اور بڑے اہم نام شامل ہیں، جن میں میرا جی، فیض احمد فیض، ضیا جالندھری، قیوم نظر، مجید امجد، جیلانی کامران، منیر نیازی، اسلم انصاری، عرش صدیقی، افضال سید، جاوید انور، نصیر احمد ناصر، علی محمد فرشی، انوار فطرت، پروین طاہر (واحد خاتون نظم نگار) اور نوے کی دہائی میں سعید احمد، روش ندیم اور ارشد معراج کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان تین نظم نگاروں کے ہاں لفظوں کی درو بست نئے اور مختلف انداز میں ہے۔ جدید عہد کے ان نظم نگاروں نے اسلوبیاتی، جمالیاتی اور معنیاتی سطح پر روایت کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے بھی نئی ڈکشن کو متعارف کرایا ہے۔ جس میں بالترتیب ہندی، انگریزی الفاظ، علاقائی زبانیں، لفظوں کی نئی ساخت جن سے روزمرہ اور نئے الفاظ و محاورات نے جنم لیا، علاوہ ازیں ایک نیا صوتی آہنگ پیدا ہوا۔ کچھ ایسے نامانوس الفاظ شعری منظر نامے پر متعارف ہوئے جو کہ اُردو لغت میں تو دستیاب ہیں مگر شاعری کی زبان نہیں بنے۔ اس عمل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خانِ آرزو اور امام بخش ناسخ نے جو اصطلاحِ زبان کی تحریکیں چلائی تھیں، وہ تب کارگر نہیں ہوئیں مگر اب موافق ماحول یعنی space پا کر خوب کارگر ثابت ہوئی ہیں۔

زبان و بیان کے ان نت نئے تجربوں سے اب مختلف نئے الفاظ، نظم کی زبان میں مروج ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ہر دوسرے شاعر کے یہاں زبان کی تبدیلی کا رُخ نظر آتا ہے۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

> "ان الفاظ میں معاشرے کے متعدد رجحانات نظر آتے ہیں اور اپنے ماحول کی معاشرتی زندگی کو آئینہ دکھاتے ہیں الفاظ و تراکیب اور استعارات و محاورات کی تخلیق و استعمال کے سلسلے کی اور نہ جانے کتنی باتیں ہیں جو اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں کہ پاکستانی معاشرے کا عکس صرف اُردو شاعری کی معنوی سطح پر نمودار نہیں ہوا بلکہ اس کی ظاہری سطح یعنی لفظی پیکر اور لسانی تشکیلات پر بھی اس کا پورا سایہ نظر آتا ہے"۔(۳)

ان نظم نگاروں نے آزاد نظم میں زبان و بیان کے ایسے ایسے تجربے کئے ہیں کہ پابند نظم نگار آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ اِن کی نظموں میں فکری تنوع اور وسعت کے باعث نئی شعری صورت سامنے آتی ہے۔ نظم کے لئے الفاظ و زبان کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان نظم نگاروں کی نظموں کی جڑیں

انگریزی وہندی، نیز علاقائی ادب میں بہت گہری ہیں مگر یہ اِنہیں اُردو میں یوں استعمال کرتے ہیں کہ اجنبیت کا احساس نہیں ہونے پاتا۔

آزاد نظم کی خاصیتوں اور زبان کے ایسے فراخدلانہ رویے کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں کہ :

> "نظم بچے کی زندگی کے اُس دور کے مماثل ہے، جب وہ سن بلوغ کو پہنچ کر خود ایک علیحدہ کل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر نظم کو انسانی زندگی میں "انفرادیت" کے بھرپور اظہار کی ایک صورت قرار دیں، تو اِس کے مزاج کا ایک اہم پہلو بالکل آئینہ ہو جائے گا۔ نظم ایک وسیع میدان میں پیش قدمی کرنے، راستے کی ہر شے کو مس کرنے اور یوں ہر نئے واقعہ سے تجربہ اخذ کرنے کا نام ہے۔۔۔ نظم ایک خاص شخص کی زندگی کا عکس ہے اور اس میں نقصان کی نوعیت بھی شخصی ہے۔۔۔ نظم استقرائی طریق کو اختیار کر کے خارجی اشیا کو مس کرتی ہے لیکن اس کی جہت واضح طور پر باہر سے اندر کی طرف ہے۔ اندر اور باہر کی دنیاؤں میں جو تصادم پیدا ہوتا ہے، اُسی سے نظم کا سارا استحکام عبارت ہے"۔(۴)

جس طرح شاعری میں موضوع اور ہیئت کی اہمیت مسلم ہے، اُسی طرح شاعری کے مزاج کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور یہ مزاج ہمارے سماج کے ہر دو سیاسی و سماجی پس منظر سے مل کر بنتا ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

شعر کا مزاج دراصل دھرتی کے مزاج سے تشکیل پاتا ہے، پھر دھرتی کے مزاج کے بھی دو رُخ ہیں: ایک وہ جو اُس کے بنیادی اوصاف سے عبارت ہے اور جس میں اُس کی باس، ذائقہ، خنکی یا گرمی از خود منتقل ہوتی اور ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ دوسرا وہ رُخ، جو بیرونی اثرات کے تحت اُبھرتا اور دھرتی کے مزاج میں ایک نئی سطح کا اضافہ کر دیتا ہے۔ کسی ملک کی شاعری نہ صرف دھرتی کے بنیادی اوصاف کی عکاس ہوتی ہے بلکہ باہر سے آئی ہوئی کروٹوں کو بھی خود میں سمولیتی ہے۔(۵)

یہی وہ مزاج ہے جس کو سعید احمد، روش ندیم اور ارشد معراج نے اپنی آزاد نظموں میں سمویا ہے۔ داخل و خارج کی اس آویزش سے جو خیالات تشکیل پائے اُنہیں ان شعرا نے جدت کے تناظر میں نئی شعری زبان اور الفاظ کے اچھوتے غلاف میں لپیٹ کر پیش کیا۔ اگر خیالات شاعری کی بنیاد ہیں تو الفاظ و زبان اس کی جان یعنی ایک روح اور تمسی کا کام کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: "نظم کے لئے تسلسل خیال ضروری ہے"۔(۶) ڈاکٹر صاحب کی بات مبنی بر حق سہی مگر جب تک وجود خوبصورت نہ ہو گا، روح بھی دل کو نہ چھوئے گی سو دونوں ایک دوسرے کے لئے جسم و جاں کی طرح لازم و ملزوم ہیں۔ ان نظم نگاروں کا مسئلہ فرد کی شناخت کا مسئلہ ہے کیونکہ اب تک انسان کسی نہ کسی طور

پر اجتماع کے تحفظ میں ضرور تھا جبکہ نیا انسان ایک جزیرے میں قید ہے، اس پر تنہائی کا احساس اور موت کی خوفناکی حاوی ہے۔ آج معاشرہ ان تمام رابطہ حد بندیوں سے محروم ہے جو اِسے کسی زمانے میں سالمیت اور معانی دیتی تھیں۔

انسان اکیلا ہے اور نئے ایجاد کئے ہوئے ہتھیاروں سے طاقتور ہے، موت کا کھیل کبھی جنگوں کی شکل میں برپا ہوتا ہے اور کبھی امن و سلامتی چاہنے والے لوگوں کے سامنے بمباری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ زمین پر انسان اپنا خود سے عکس تراشنے کی کوشش میں ظالم بن چکا ہے۔ موت کے یقینی اور بے یقینی حملے، جغرافیائی حد بندیوں، صنعتی پروگراموں اور تلاش روزگار کے شور میں ایسے نازل ہوئے ہیں جیسے آسمان سے برق گرتی ہے اور پھر گہرے بادلوں میں چُھپ جاتی ہے۔ یہ سب کیا ہے؟۔۔۔ ہم کون ہیں۔۔۔۔؟ میں کون ہوں؟۔۔۔۔۔ یہ لمحے کی داستان سُنانا کیوں ضروری ہے؟ یہ زندگی کیا ہے اور اس کے مختلف راستوں میں انسان کہاں، کسی حیثیت میں سامنے آتا رہتا ہے۔۔۔؟ ان تمام سوالوں کا جواب نئی جہتوں، نئے الفاظ و زبان کے ساتھ ان شعرا کے ہاں ملتا ہے۔

سعید احمد کی نظم نگاری میں گو کہ نئی لفظیات کے حوالے سے بہت زیادہ انحراف نہیں پایا جاتا مگر پھر بھی وہ بدلتے تناظر سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکے اور نظم کی نئی لغت میں حصہ دار ضرور بنے ہیں۔ اس ضمن میں یوسف حسن ''سعید احمد کی نظمیں'' میں یوں بیان کرتے ہیں۔

سعید احمد کی آرزوؤں کا جہان جنسی طلب کی تکمیل سے لے کر انسانی رفاقت کی تحصیل تک اور پھر ایک بامعانی زندگی کی تشکیل تک پھیلا ہوا ہے اور ان آرزوؤں کے بر آنے کے امکانات اُسے نظر نہیں آتے۔ ان آرزوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس کے مسائل محض ذاتی نہیں اجتماعی بھی ہیں۔ جن کا اظہار اُس نے حقیقت پسندی کے ساتھ جدید تمثالوں، ہئیتوں اور تکنیکوں میں کیا ہے۔(۷)

موضوعاتی سطح پر تنوع نے سعید احمد کی نئی لفظیات کو نظم کا حصہ بنانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ جو اُن کے تخلیقی لاشعور کا حصہ بن کر نظم میں اس طرح در آئی کہ کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ لفظ اجنبی ہیں۔ اُن کی نئی لفظیات نے نظم کے معانی و مفاہیم میں اضافہ کیا ہے۔ خاص طور پر اُن کے مجموعے "دن کے نیلاب کا خواب" کی آخری طویل نظم "معلوم کے دُکھ" اُن کے تخلیقی وفور اور جدید دکشن کا مظہر ہے۔

سعید احمد کی لفظیات بہت سے معلوم و نامعلوم کے دُکھ اُٹھائے مکان سے لامکان تک کا سفر، حیرت، اور دیا جلتا ہے خواب میں، میرے شجرے میں یہ تحریر کہاں، تضادوں سے عبارت، جب بینائی ساون نے چرائی ہو، خاموش خوف صدا، نادیدہ منظر بانجھ ہے کیا، تنہائی کے طاقچے میں رکھی شام، اجنبی زیست کے کینوس پر، وقت کے تاریک ساحل پر، ناممکن کے خواب، دیکھتے ہوئے طے کرتی ہے تو لفظ "ڈوبتے سورج کی سرگوشی سناتے" غیر مرئی

منظروں کی عکس بندی بھی کرتے ہیں۔زبان ’’نصف ہجر کے دریا سے، چتا میں بیٹھی خواہش، بد گمان، ایک کہانی ایک سوال، بے لکیر ہاتھوں میں تحریر دُکھ، گنگ گلوب کتھا، دستک سے خالی ہاتھ، فردا کے خرابے میں بھٹکے قدیم خیال، معنی کی تلاش میں مرتے لفظ اور ادھوری نسل کا پورا سچ بیان کرتے ہوئے ہچکچاتی نہیں بلکہ شاعر کی کہانی سوچتی ہے اور صبح آئندہ کے اُفق سے دور، ناموجود کا استفسار بھی کرتی ہے۔یوں ہم سعید احمد کے ہاں ہوا کی قبر میں زیاں کے ورق پر تحریر احساس کو نئے لفظوں کے پسِ منظر میں عام مروج زبان کے منظر نامے سے ہٹ کر دیکھ اور برت سکتے ہیں۔

یہ لفظیات و زبان، بنیادی طور پر تخلیق کار کے ارد گرد اُس دن سے گھومتی ہے جب وہ شعر کا خیال ہی کرنا شروع کرتا ہے۔الفاظ کی شاعری میں کس طرح اہمیت ہے اور وہ شاعر پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔اس کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں شاعری کا سارا کارخانہ الفاظ ہی کے کل پرزوں پر چلتا ہے۔شاعری کے جمالیاتی اظہار میں الفاظ کی اہمیت کو سبھی نے تسلیم کیا ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ موضوع اور مواد کے جمالیاتی اظہار میں الفاظ بڑا کام کرتے ہیں(۸)۔سعید احمد کی نظم میں ہمیں اُردو کے حوالے سے نامانوس الفاظ، علاقائی زبان، انگریزی اور ہندی الفاظ ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جیسے یہ اُردو زبان میں ہم سُنتے رہے ہوں۔زبان کا ایسا استعمال قاری و نظم نگار کی کیمسٹری کو ملانے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔سعید احمد کے مجموعہ "دن کے نیلاب کا خواب" سے الفاظ و زبان کے حوالے سے مثالیں ملاحظہ کیجئے:

علاقائی الفاظ: پچھل پائی، ہانڈی، یرقان گُنجل پوٹلی، ڈیوڑھی، جگراتوں، کھیسے پتلون او پلے، بیرنگ، ٹکسے، تھپی گُدام صندوق، ہرپھر، رسیوں۔

اس کے علاوہ وہ انگریزی کے ایسے الفاظ کا بھی اپنی نظم میں استعمال کرتے ہیں جو اپنی علاقائی زبان کی مناسبت سے ادا ہوتے ہیں۔جیسے پاسپورٹ کی بجائے پاسپورٹوں، ویزہ کی بجائے ویزوں کا استعمال کیا ہے۔اِن کی نظم میں ہندی الفاظ بھی جگہ بناتے ہیں اور وہ اِن کا مناسب استعمال کرتے ہیں۔مثالیں ملاحظہ کیجئے۔بے انت، سمے، ملہار، بھاگبھری، چتا، سوجن، کتھا، بیاج، کایا کلپ۔

انوکھے /مشکل /نامانوس الفاظ کا استعمال بھی سعید احمد کی نظم کا خاصا نظر آتے ہیں:

دادیٔ نامختتم(فارسی)، لاوا، سوئیوں، سڑاند ساخت یات، لالٹین، چُپ کا چاقو، گدھ دور بینوں، کبڑا، جوہڑ۔

انگریزی کی مثالیں ملاحظہ کیجئے: کیلنڈر، کینوس، ہیر وولن ایش ٹرے، اریزر، لالٹین، گلوب، پنکشن، ائیر پاکٹ۔

سعید احمد نے اپنی نظموں میں مندرجہ بالا زبان کو استعمال کر کے اُردو نظم میں اتنی وسعت اور گنجائش پیدا کی ہے کہ آئندہ نسلیں اِسی روش کو روزمرہ کی طرح برت سکیں گی۔

دوسری طرف روش ندیم کی نظمیں پڑھنے کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ نظم نگار کو حال، ماضی اور مستقبل سبھی چند سطروں میں سمیٹنے کی جلدی ہے مگر اپنی اِس فٹافٹ کی اُبلتی ہانڈی کو وہ خود ہی پھر شانتی، ۔۔۔شانتی۔۔۔شانتی۔۔۔کے الفاظ کے ساتھ ڈھانپ دیتے ہیں کہ کہیں اُبالے کے سُچے چھینٹے معاشرے کے جھوٹ کا چہرہ بُری طرح مسخ نہ کر دیں۔

روش ندیم کی نظمیں، تلمیحات، قدیم زمانے کی پژمردہ روحیں، آنجہانی آرزوئیں، جدید میڈیا کا ماتم، ابلیس کی ناتمام خواہشات، موت کا سامنا، مشینی دور میں پچی ہڑ بونگ، انقلابی تماشے سے جنم لینے والے بڑے تماشوں کی کہانی، احتجاج کی نئی رِیت، شعریات میں جدید انسانی درد اور اُس کی بربادی کی داستان، قدیم اساطیر کا نیا چولا، نظم میں سٹیج ڈرامے کی طرح بدلتے سین، گونگے رہنما اور مبہم صحیفے، اپنی ہی لہروں کی کھوج، نوجوان نسل کے المیے، نئے الفاظ کا پیرہن لئے ''دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں'' کا روپ دھارے جب نظر سے گزرتی ہیں تو اس میں جدیدیت (Modernism) اور مابعد جدیدیت (Post Modernism) اور اس سے بھی آگے آگے کے ادبی منظر نامے کے ساتھ Live کرنے کی طاقت و جرأت اور اعلان کو ہم واضح محسوس کر سکتے ہیں۔

آزاد نظم نگاروں کے اس گروہ میں جو چیز روش ندیم کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں وہ اپنی ہی نظم سے محظوظ ہونے کا عمل ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنی نظم ''نظم میرے لئے کیا ہے''؟ میں بھی کرتے ہیں:

اِس پُر کیف و پُر جمال عمل کا ماحصل ایک محفوظ رہ جانے والی بے مثال حیرت اور لازوال مسرت کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے؟

روش ندیم نے نظم سے لازوال مسرت کے حصول کے لئے نظم کو نئی زبان اور نئے موضوعات بھی عطا کئے ہیں تاکہ بے مثال حیرت کا عمل کار فرما رہے۔ روش ندیم کی نظم کی زبان جاننے کے لئے اُن کے مجموعۂ کلام ''دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں'' سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

علاقائی الفاظ: دولے شاہ کا چوہا، اوپڑ دی گڑ گڑ دی اینکس دی بے دھیانا، دی منگ دی دال آف دی۔

علاوہ ازیں وہ انگریزی کے ایسے الفاظ کو بھی اپنی نظم میں استعمال کرتے ہیں جو اپنی علاقائی زبان کی مناسبت سے ادا ہوتے ہیں:

جیسے فوٹو سے فوٹوؤں، لیٹرین سے لیٹرینیں، تھیوری سے تھیوریوں، مارکیٹ سے مارکیٹوں، فیکٹری سے فیکٹریوں، ٹیکس سے ٹیکسوں، فٹ پاتھ سے فٹ پاتھوں وغیرہ

نظم میں ہندی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ جیون اجنتا سیتا جنتا آدرش راکشس پر نام سادھو آشا نروان رام کٹیا موتنا باؤلے

انوکھے، مشکل و نامانوس الفاظ کی مثالیں خاصی دیکھنے کو ملتی ہیں:

کباڑ خانے امریکی فوجی آیتکریمہ جرنیل ڈائنا ستعفے بلغمی عینک بوطیقا طلاق نامے حی چوتڑوں میخ انشائیہ نکیل مخبر مکھیوں عدالتی حکم کش موہنجوداڑو

ناشتے موچیوں غدودوں مافیا مشیننائیوں شریانوں جواخانے تمبا کو کلچہ فروشوں جرثوموں سبزی منڈی چھینک تانگہ بانوں اشتہاری کال کوٹھری عجائب گھر خصی غداری سیٹھ

کھانس آب دوز خوردبینوں مولوی پھاٹک بحرِ مردار دوربینوں صیہونی تارپیڈو (سمندری بم) کتابچوں دسمبروں نطشے روسو رئیلزم سرّیت آفاقیت تجربیت نرگسیت نئی ساختیاتی جابیت حلقہ اربابِ ذوق لایعنیت الٰہیت ترقی پسند مارکسیت مارکس لینن

انگریزی زبان کی مثالیں:

نواسمو کنگ ڈے کلوننگ وہیل چیئر ونڈوز 2000 ڈبلیو ٹی اوناگاساکی بی بی سی ٹائم بم ہیروشیما نیرودامی لارڈ بریکنگ نیوز کاماسوترا میونسپل یسمگ لنگبایو ڈیٹا کنٹرول پبلک لیٹر نیوز کاسٹر، ایلورا پینٹ ٹی وی نیوز ہیڈ لائینز الارمایکسٹرا ریفرنڈم یاہو میسنجر ڈائنوسار بیک ڈور ڈپلومیسی گارشیا کوریڈور سٹاک ایکسچینج ماؤ چیک ٹاپکی سی ون برن سینٹر چی گویرا انجن انرجیپر فیوم گٹر ہالی وڈ ای میل ایف آئی آر، ٹائی ٹینک ٹوچیک سیل منرل واٹر سیٹو سیٹو ٹشو پیپر داس کیپی ٹال گلوبل ویلیج یو کلپٹس کامریڈ سوٹ ٹیکنالوجی سگرٹ بگ بینگ ایڈن ہائٹسپائیگولڈ لیفوڈ کا بلا شبہ روش ندیم کی نظم میں نئے الفاظ کا استعمال نظم کو نئی زبان اور نئے معانی عطا کر کے ان کی نظم کو اچھوتا انداز بخشتا ھے۔ اسی طرح ارشد معراج کی نظم کی زبان بھی نئے الفاظ کو برتنے کا نہ صرف حوصلہ دیتی ہے بلکہ نئے لفظوں کی بنت سے اپنے دور کے نجی و عوامی مسائل کو یکساں بیان بھی کرتے ہیں۔

اس کے لئے ارشد معراج کی ''کتھا نیلے پانی کی'' نئے معاشرے کے نئے مسائل، احساسِ جرم، خوفِ تنہائی، کیفیتِ اِنتشار اور جدید صنعتی، مشینی و میکانکی تہذیب کی بدولت مادی خوشحالی، ذہنی کھوکھلے پن اور روحانی دیوالیہ پن کو اپنا موضوع بناتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے اس عالمی انسان اور کائناتی سماج کا تصور بھی پیش فرما

ہے۔ جسے وہ اپنی شاعری کی زبان میں نئے الفاظ کے اضافے کے ساتھ بیان کر کے نظم کے کینوس کو خوبصورتی سے نئی زبان دیتے نظر آتے ہیں۔

یہ بجا ہے کہ انتخاب الفاظ آسان مرحلہ نہیں ہوتا اِس کے لئے شاعر اور ادیب کو بہت کٹھن منزل سے گزرنا پڑتا ہے۔ بقول مولانا شبلی نعمانی: ''الفاظ کا انتخاب انتاد شوار ترین مسئلہ ہوتا ہے کہ جس کے لئے شاعر ایک ایک لفظ کی تلاش میں رات رات بھر جاگتا ہے جبکہ مرغ اور مچھلیاں تک سوئی ہوتی ہیں (۹)۔ مولانا شبلی کا کہنا بجا سہی مگر اس کے برعکس ارشد معراج کی نظموں کے مجموعے ''کتھا نیلے پانی کی'' پڑھتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جدید الفاظ کا استعمال ان کے لئے انجان نہیں بلکہ جدید لفظوں کو وہ اپنی علاقائی رہتل کے سنگم سے مزید نکھار کر جس طرح چاہے استعمال میں لے آتے ہیں۔ اُن کے مجموعۂ کلام میں علاقائی، ہندی، نامانوس و مشکل، اُردو، انگریزی و پنجابی الفاظ اِس طرح سطروں میں پڑے ملتے ہیں کہ جیسے یہ اِسی کا حصہ بننے کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ ان کے مجموعۂ کلام ''کتھا نیلے پانی کی'' سے مثالیں ملاحظہ کیجئے:

علاقائی الفاظ:

(اس مد میں ہمیں پنجابی زبان کے الفاظ کا بڑا حصہ دیکھنے کو ملتا ہے)

سر کھنار وڑیوں جندڑی پکھنو ونڈدا
سائیں پینڈے جَتّی شِکر کھنگار
وچھوڑا باشہ ہٹی پُتر کو ندر
پھنیر جُسہ کراڑ سیانے بنیرے
شوکے مٹیاریں ملوک فجر یو یلے پوہ
ڈوبو ریت پیلو ٹھنڈا ٹھار سوہنا مالک
پرالی سو کھامنڈیاں کونجوں ساگ
کھرلی کُرلاتے

ارشد معراج اس طرح پنجابی اور اُردو کو آمیخت کرتے ہیں، یعنی اردو نظم میں پنجابی کے ٹکڑے اس طرح لگاتے ہیں کہ وہ نظم کا جزوِ لانیفک بن جاتے ہیں۔

مثالیں:

(ا) فجری ویلے سوہنا مالک روزی ونڈے

(۲)توں وی اپنا حصہ لے لے

(۳)تو تیا! من تو تیا!
توں اُس گلی نہ جاویں
اوس گلی دے جٹ نے بھیڑے
لیندے پھائیاں ہا

(۴)چاچا
گارے سے بینرے لیپ، کھرلی
خدا دا شکر ادا کر دے ہاں
جے اس ساڈے تے ایہہ رز میش پائی ھیہ

(۵)جو او کر دا ہمیشہ ٹھیک ای کر دا
پرائے دیس جو نمبر دار مرسی
وت اے او کھت گھٹ نہ ویسی

انگریزی کے ایسے الفاظ کی مثالیں جو علاقائی زبان کی مناسبت سے ادا ہوتے ہیں، جیسے:
مارکیٹ سے مارکیٹوں، ویزہ سے ویزوں، سلیٹ سے سلیٹوں، فائل سے فائلوں، کیمرہ سے کیمرے، سائبریا سے سابیریا وغیرہ

علاوہ ازیں ارشد معراج کے ہاں لفظوں کی نئی ساخت کا شعور بھی مشاہدے میں آتا ہے جیسے: گرم سے گرمیلے، حیرت سے حیرتی اور پنجابی کے الفاظ: کُرلانا سے کُرلاتے، چیتر سے چیترنی وغیرہ

ہندی لفظوں کی نئی ساخت، جن سے روزمرہ کے نئے الفاظ جنم لیتے ہیں، انگریزی الفاظ، علاقائی زبان کے علاوہ ارشد معراج کے شعری مجموعے میں نیا صوتی آہنگ بھی پیدا ہوتا ہے۔ جیسے: سائیں سائیں، کائیں کائیں، ٹھک ٹھک، دھڑ دھڑ، تڑخ تڑخ، غوں غوں، تھل تھل، کھی کھی، بَھد بَھد وغیرہ

ایک لفظ ''ایلیا'' جو کہ عبرانی زبان کا ہے، اُس کا بھی استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو جب مصلوب کیا جا رہا تھا تو آن کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے ''ایلیا ایلیا لماشب قطنی'' ترجمہ: اے خدا! تو نے مجھے تنہا کیوں چھوڑ دیا۔

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنجابی زبان کے الفاظ کے علاوہ شاعر کے ہاں نئے لفظوں کی تلاش کا عمل بھی کارفرمارہاہے۔

ہندی الفاظ:

کپلو ستو وشنو گوپیوں نند لال اپسرا

کلسر یکر شنا سدھار تھا دھیا نیل گگن

جیو نلو جھ سنسار یگوں بھڑوے

اُڑن کھٹولے بھاؤ تاؤر یکھا کتھا نروان

گورکھ دھندہ آدرش امرت پکھنوؤں روپ سروپ

چھتنار وید ٹانڈ برادہ پگ گھنگرو

اوتاروں میرا بھگوانوں سیتا کٹورا

راون منڈیرا گنی پرکشا چندر مکھی دیو داس

رَتھ داسی ناٹک مایا من بھیتر

سُر سرگم سندیسے روپ سروپ سیما آشائیں

بھیرویں شانت ملہار باگیشری للت پیلو (راگ)

چندرمایا سادھو چتا نین کٹورے

اودبلاؤں کلکاری سنگت جمورے انت

گٹھری نٹ کھٹ اتر دکھن پورپ

پچھم پوتھیوں آوا کجاوہ چمپا

بھور سے اوٹ بھاگ مندر رادھ موا پھاگن

کٹورے گلسر یا جل جلترنگ گنگا

گھنیر دھڑکا چھیل چھبیلی اُوکھت بھوگی

انوکھے /مشکل /نامانوموس الفاظ:

یہودہ وردیاں تختی سُرمنڈ لکھانسی ریڑھکی ہڈی گوداچر میمیزیں گڑ الماری حاملپیتی اشتہارات نرخ مُٹھیاں مڈی جوڑوں بونے پنجوں

گٹھ مُٹھیے لطیفے جمائی بِگل چنگاریاں آنتوں خلائی لنڈے موزے نصف بہتر لوہاروں بَھٹی بھولے مداری گروی ضدی بیل سبزیاں دال حجرے بکرا پیر کا گھڑیال برفیلی ہوائیں شامیانوں سوراخ منقسم کٹہرے کھڑکی کمرہ مرتبان محرر موؤ ختتخم بینوں انگوٹھا چوستی میلے کپڑے تابوت بانجھ لکنت روٹیاں رومال کیچڑ، پنجرے برتن شہوت کھاد شریان پٹی ابابیلیں درباری ایمن راگ لایعنیت کھجوریں خلیوں اڑھائی لوفرچگاڈر چرخہ کال کلوٹے چپٹی سیلن پھسلن کائی قلغیاں آبپارہ آہن گرلال بتی ردی ٹوکری مجاور کمیلا اوجڑی گارا خلائی شٹل پُتلی سیم نالوں کلر تھور جھینگر کونج مکڑی کبوتر پڑوسن ایڑی پلولحاف کستوری نافکرایہ بابوجی حویلی پنگوڑھا شیشم چوپال

انگریزی الفاظ:

ریموٹ ٹی ویParasite بریسلٹواش پرومیتھس ہنچ بیک کینڈل لائٹ ڈنرماسکو مارکس اینگلز پاز فوڈ فیسٹیول وائرس سٹیم انجن لوکوشیڈ کیلنڈر لان پینٹpigsuninnae

Hatcheries ایکسٹیسیریل پی سیسوئمنگ پول واٹ شمپین کونیک وہسکی ڈسپوزیبل کاربن چینلسگنلر یلیز پلیز میچکلاشنکوف چینل ٹریفک چیونگم اینٹکEnigmaAquariumایٹم بم فاسفورس شٹل سائن بورڈ شٹل کاک مشروم ریکٹ شنٹنگ

لامحالہ طور پر سعید احمد، روش ندیم اور ارشد معراج کی نظم دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وسیع ذخیرۂ الفاظ کے حصول کے لیے نت نئے تجربات کی بھٹی میں جلنا اُن کا معمول ہوگا۔ ان ذخیرۂ الفاظ کو موقع و محل پر جس چابکدستی اور ہنرمندی سے وہ برتتے ہیں یہ اُن کی زبان وادب کے حوالے سے لیاقت اور بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ آزاد نظم کے ان تین تخلیق کاروں کی نظموں سے یہ نتیجہ اخذ ہوا ہے کہ ان تین مختصر کتابوں نے اردو لغت کے دامن کو کس قدر وسیع کیا ہے کیونکہ لفظ کسی بھی زبان کا ہو، جب وہ کسی دوسری زبان میں استعمال ہو جائے اور اپنا منطقی جواز بھی فراہم کرے (منطقی جواز لفظ کا ادبی سطح پر استعمال ہے) تو وہ اُسی زبان کا حصہ قرار پاتا ہے۔ ان شعرائے کرام نے اپنے جذبات و محسوسات کو الفاظ کے نئے پیرانوں میں ڈھال کر اُردو نظم کو نئی جلا بخشی ہے۔ اِس ضمن میں روبینہ تحسین یوں رقمطراز ہوتی ہیں کہ: ''عظیم شعرا کے فن کا مقصد جذبات کو بے لگام کرنے کی بجائے انہیں مخصوص چمک اور جلا عطا کرنا ہوتا ہے'' (۱۰)۔ مذکورہ مقالے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جذبات و احساسات کی یہ تربیت بجا طور پر ان شعرائے کرام نے کی ہے اور ہماری جدید اُردو نظم کی تاریخ میں مختلف زبانوں کے الفاظ متعارف کرا کے اردو نظم میں نئے الفاظ کا اضافہ کر کے ایک نئے رجحان کی طرف پیش رفت کی۔ یوں ہم انہیں رجحان ساز (Trend setter) شعرا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ تخلیق کار ہی زبان کے دامن کو وسعت دیتے

ہیں نہ کہ گرائمر و لغات کے ماہرین۔ سو ہمیں اُردو کی نئی لغت مرتب کرتے ہوئے ان جدید تخلیق کاروں اور ان کے معاصر نظم نگاروں کو مدِ نظر رکھنا ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ روبینہ تحسین، تحسین شعر، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۵، ص۔ ۷۶

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱، ص۔ ۹۸

۳۔ سید عبداللہ ڈاکٹر، چہار سو شمارہ ۱۴ اپریل ۱۹۹۶، راولپنڈی، ص۔ ۶۳

۴۔ شبلی نعمانی، مولانا، العجم، جلد چہارم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۱، ص۔ ۴۷

۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ، قمر کتاب گھر، کراچی، ۱۹۷۳ ص۔ ۴۷

۶۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اُردو انجمن ترقی اردو، دکن س۔ن، ص۔ ۴

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، گیارھوا ایڈیشن ۱۹۹۹، ص ۳۰۱، ۳۱۱

۸۔ یوسف حسن، سعید احمد کی نظمیں مشمولہ دن کے نیلاب کا خواب، شہر زاد، مارچ، ۲۰۱۱، ص۔ ۱۴۷

کتابیات

ارشد معراج، کتھا نیلے پانی کی، بہزاد پبلیشرز، راولپنڈی، اپریل ۲۰۰۶

روش ندیم، دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں، الفا پبلیکیشنز، لاہور، اشاعتِ اول ۱۹۰۴

سعید احمد، دن کے نیلاب کا خواب، شہر زاد، کراچی، مارچ، ۲۰۱۱

روبینہ تحسین، تحسین شعر، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۵

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱

شبلی نعمانی، مولانا، العجم، جلد چہارم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۱،

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ، قمر کتاب گھر، کراچی، ۱۹۷۳

مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اُردو انجمن ترقی اردو، دکن س۔ن،

وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، گیارھوا ایڈیشن ۱۹۹۹

یوسف حسن، سعید احمد کی نظمیں مشمولہ دن کے نیلاب کا خواب، شہر زاد، مارچ، ۲۰۱۱